

نَسْمَةُ الْقُرْآنِ

الطَّورُ

(٥٣)

Page 1

الطوس

نام پہلے بی لفظ "والظویر" سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول معنا میں کی اندر واقع شہادت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی مکمل محظہ کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جس میں سورہ ذاریات نازل ہوئی تھی۔ اس کو پڑھتے ہوئے یہ تو ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اس کے نزول کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعتراضات اور اذمات کی بوجھاڑ ہو رہی تھی مگر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ظلم و ستم کی جگہ زور شور سے چلنی شروع ہو گئی تھی۔

موضع اور مباحث اس کے پہلے رکوع کا موضوع آخرت ہے۔ سورہ ذاریات میں اس کے مکان اور وجوب اور موضع کے دلائل دیے جائیکے تھے، اس لیے یہاں اُن کا عادہ نہیں کیا گیا ہے، البتہ آخرت کی شہادت دینے والے چند حفاظتی آثار کی قسم کھاکر پورے نزول کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ یقیناً اتفاق ہو کر رہے گی اور کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اسے برپا ہونے سے روک دے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ جب وہ پیش آئے گی تو اس کے جھلکتے والوں کا انجام کیا ہو گا، اور اسے مان کر تقدیر کی روش اختیار کر لیجئے والے کس طرح الشک اనعامات سے سرفراز ہوں گے۔

اس کے بعد وسرے رکوع میں سرداران قریش کے اُس روئی پر تعمید کی گئی ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کیے ہوئے تھے۔ وہ آپ کو بھی کاہن، کبھی مجتوں اور کبھی شاعر قرار دے کر عوام انس کو آپ کے خلاف بہلاتے تھے تاکہ رُگ آپ کے لائے ہوئے پیغام کی طرف سمجھی گی سے تو جہد کریں۔ وہ آپ کی ذات کو اپنے حق میں ایک بلاشہ غالمانی سمجھتے تھا اور غلامیہ کی تھے کہ کوئی آفت ان پر نازل ہو جائے تو سرداران سمجھیا چھوٹے۔ وہ آپ پر ادام لگاتے تھے کہ یہ قرآن آپ خود گھر کر خدا کے نام سے پیش کر رہے ہیں اور یہ معاذ اللہ ایک فریب ہے جو آپ نے بنار کھا ہے۔ وہ بار بار نظر کرتے تھے کہ خدا کو نبوت کے سیلے بھی تویں یہ صاحب ملے۔ وہ آپ کی دعوت و تبلیغ سے ایسی بیزاری کا اظہار کرتے تھے جیسے آپ کچھ مانگنے کے لیے اُن کے چچے پڑھے ہوئے ہیں اور وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے آپ سے مدد چھپاتے پھرتے ہیں۔ وہ آپس میں پڑھنے والا کو رجھتے تھے کہ آپ کے خلاف کیا چال ایسی چل جائے جس سے آپ کی اس دعوت کا خاتمہ ہو جائے۔ اور یہ سب پکھ کرتے ہوئے ابین اس امر کا کوئی احساس نہ تھا کہ وہ کیسے جا لانے عقاومیں مبتلا ہیں جن کی تاریکی

لگوں کو نکلنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے غرمانا ہاپنی جان پھیارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ ان کے اسی روایتے پر تعمید کرتے ہوئے پے در پے کچھ سوالات کیے ہیں جن میں سے ہر سوال یا الرؤان کے کسی اعتراض کا جواب ہے یا ان کی کسی جھالت پر تبصرہ۔ پھر فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو آپ کی نبوت کا تأثیر کرنے کے لیے کوئی مجرمہ دکھانا نقطی لا حاصل ہے، کیونکہ یہ ایسے ہبھ دھرم لوگ ہیں کہ اسیں خواہ کچھ بھی دکھادیا جائے، یہ اُس کی کوئی تاویل کر کے ایمان لانے سے گزرا کر جائیں گے۔

اس روایت کے آغاز میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بذات فرمائی گئی ہے کہ ان مخالفین و معاذن کے الزامات و اعتراضات کی پرواکیہ بغیر پتی دعوت و نذر کیر کا کام سلسل جاری رکھیں، اور آخر میں بھی آپ کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ صبر کے ساتھ ان مخالفتوں کا مقابلہ کیے چلے جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے۔ اس کے ساتھ آپ کو طینان دلایا گیا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو دشمنان حق کے مقابلے میں اتحاک را پسندی حال پر چھوڑنیں دیا ہے بلکہ وہ یہاں آپ کی نگہبانی کر رہا ہے۔ جب تک اُس کے فیصلک گھٹری آئے، آپ سب کچھ برداشت کرتے رہیں اور اپنے رب کی حدود تسبیح سے وہ قوت حاصل کرتے رہیں جو ایسے مالات میں اللہ کا کام کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔

سُوْرَةُ الْقَوْمِ، مَكِّيَّةٌ

الآیات ۲۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالظُّورِ وَكَتِيبَ مَسْطُورٍ فِي رَقِّ مَنْسُورٍ وَالْبَيْتِ الْمَعْوُرِ

قسم ہے طور کی، اور ایک ایسی کھلی کتاب کی جو رفیق جلد میں لکھی ہوئی ہے، اور آبادگھر کی،

۱۷ طور کے اصل معنی پاٹ کے میں سادہ الطور سے مراد وہ خاص پاٹ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو
بروت سے سفر از فریا چکا۔

۱۸ قدیم زمانے میں ہیں کتابوں اور تحریروں کو زبانہ دراٹک محفوظ رکھنا ہوتا تھا اسیں کا غذ کے بجائے ہریں
کی کھال پر لکھا جاتا تھا۔ یہ کھال خاص طور پر لکھنے ہی کے لیے رفیق ملدا یا چھل کی شکل میں تیار کی جاتی تھی اور اصطلاح میں
اسے رق کہا جاتا تھا۔ اب کتاب بالحوم قوراۃ نبی یور، انجل، اور صحف انبیاء کو اسی رق پر لکھا کرتے ہیں تاکہ طویل تدریج
تک محفوظ رکھ سکیں۔ یہاں کھلی کتاب سے مراد یہی مجبورہ کتب مقدار سے بے جواہ کتاب کے ماں موجود تھا۔ اسے
”کھلی کتاب“ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ نایاب نہ تھا، پڑھا جاتا تھا اور پاسانی معلوم کیا جا سکتا تھا کہ اس میں
کیا لکھا ہے۔

۱۹ ”آبادگھر سے مراد حضرت حسن بصری کے نزدیک بیت اللہ، یعنی خانہِ کعبہ ہے جو کبھی حج اور عمرہ اور
طوات و زیارت کرنے والوں سے خالی نہیں رہتا۔ اور حضرت علی، ابن عباس، عکبر، محمد، مجاهد، قتادہ، ضحاک، ابن زید
اور دوسرے مفسروں اس سے مراد وہ بیت مصور یعنی میں جس کا ذکر معراج کے سلسلے میں یعنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے، جس کی دیوار سے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نیک لگائے دیکھا تھا۔ مجاهد، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ
جس طرح خانہ کعبہ ابی زین کے لیے خدا پرستوں کا مرکز و مرجع ہے، اُسی طرح ہر انسان میں اُس کے باشندوں کے
لیے ایسا ہی ایک کعبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لیے ایسی ہی مرکزیت رکھتا ہے۔ اُنہیں سے ایک
کعبہ وہ نفایس کی دیوار سے نیک لگائے حضرت ابراہیم علیہ السلام معراج میں یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آئئے تھے، اور
اُس سے حضرت ابراہیم کی مناسبت فطری تھی کیونکہ اپنے زین و اسے کعبہ کے بانی ہیں۔ اس تشریح کو نگاہ میں رکھا جائے
 تو یہ دوسری تغیری حضرت حسن بصری کی تغیری کے خلاف ہیں پڑتی، بلکہ دونوں کو ملا کر ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں
قسم صرف زین ہی کے کعبہ کی نہیں لکھائی گئی ہے بلکہ اس میں اُن نام کعبوی کی قسم بھی شامل ہے جو ساری کائنات
میں موجود ہیں۔

وَالسَّقِيفُ الْمَرْفُوعُۚ وَالْبَحْرُ الْمَسْجُورُۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ
لَوَاقِعٌۚ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍۚ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْسَأًۚ

اور اپنی چحت کی، اور موز جن سندھر کی، کہ تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہوتا والا
ہے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ وہ اُس روز واقع ہو گا جب آسمان بُری طرح دُلگھتے گا

۷۵ اپنی چحت سے مراد آسمان ہے جو زمین پر ایک قبیٹ کی طرح چھایا ہو اظہراً تابے۔ اور یہاں
یہ نظرپر سے عالم بالا کے بیٹے استعمال ہوا ہے تو شریخ کے بیٹے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد شیخ، تفسیر سوہو
ق، ماشید فہرست،

۷۶ اصل میں لفظ الْبَحْرُ الْمَسْجُورُ استعمال جواب سے ماس کے متعدد معنی میان یکیں گھیں۔ بعض مفسروں
نے اس کو آگ سے بھرے ہوئے کے معنی میں لیا ہے۔ بعض اس کو خارع اور خالی کے معنی میں لیتے ہیں جن کا پانی زمین
میں اتر کر غائب ہو گیا ہو۔ بعض اسے مجبوس کے معنی میں لیتے ہیں اور اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ سندھ کو روک کر
رکھا گیا ہے تاکہ اس کا پانی زمین میں اتر کر غائب بھی نہ ہو جائے اور شکل پر چھا بھی نہ جائے کہ زمین کے سب
باشد کے اس میں عرق ہو جائیں۔ بعض اسے مخلوط کے معنی میں لیتے ہیں جس کے اندر میٹھا اور کھاری، گرم اور سرد
ہر طرح کا پانی اگرل جاتا ہے۔ اور بعض اس کو لیرن اور موجوں کے معنی میں لیتے ہیں۔ ان میں سے پہلے دعویٰ تو موقع
دخل سے کوئی مابینہ رکھتے۔ سندھ کی یہ دونوں کیفیات کہ اس کی تیجھت کر اس کا پانی زمین کے اندر اتر
جائے اور وہ آگ سے بھر جائے، قیامت کے وقت ظاہر ہوں گی، جیسا کہ سورہ نکریر آیت ۴، اور سورہ نظم الکریمہ ۳
میں بیان ہوا ہے یہ آئندہ روتا ہے نالی کیفیات اس وقت موجود نہیں ہیں کہ ان کی قسم کھا کر آج کے لوگوں کو آخرت
کے وقوع کا یقین دلایا جائے۔ اس لیے ان دو معنوں کو ساخت کر کے یہاں الْبَحْرُ الْمَسْجُورُ کو مجبوس، مخلوط اور پر زد
موجوں کے معنی میں لیا جا سکتا ہے۔

۷۷ یہ ہے وہ حقیقت جس پر ان پارچے جیزوں کی قسم کھائی گئی ہے رب کے غلام سے مراد آخرت ہے۔
چونکہ یہاں اُس پرایاں لانے والے مخاطب نہیں ہیں بلکہ اُس کا انکار کرنے والے مخاطب ہیں، اور ان کے حق میں اُس کا
آن غلام ہجایا ہے، اس لیے اُس کو قیامت یا آخرت یا موجوں کیفیت کے بجائے رب کا غلام کہا گیا ہے۔ اب دخور
یکھیے کہ اس کے وقوع پر وہ پارچے جیزوں کی طرح دلالت کرتی ہیں جو کی قسم کھائی گئی ہے۔

طرودہ جگہ ہے جہاں ایک دری اور پیسی ہوئی قوم کو اٹھاتے اور ایک غائب و قابو قوم کو گرانے کا فیصلہ کیا گی،
اور یہ فیصلہ قانون طبیعی Physical Laws کی بنیاد پر نہیں بلکہ قانون اخلاقی Moral Law کا فیصلہ ہے
مکافات Law of retribution کی بنیاد پر تھا۔ اس لیے آخرت کے حق میں تاریخی استدلال کے طور پر طرودہ

کو بقدر ایک علامت کے شیل کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل جسی ایک بے بن قوم کا لٹھایا جاتا اور فرعون ہے ایک زبردست فرمازوں کا اپنے شکروں سیست غرق کر دیا جاتا، جس کا خیصلہ ایک نہان رات میں کوہ طور پر کیا گیا تھا، انسانی تاریخ میں اس امر کی ایک نمایاں ترین مثال ہے کہ سلطنتِ کائنات کامرانِ جس طرح انسان جسی ایک ذہنی دُری اختیارِ مخلوق کے معاملہ میں اخلاقی محابی اور جزاۓ اعمال کا تقاضا کرتا ہے، اور اس تقاضے کی تجیل کے لیے ایک ایسا یہم الحساب ضروری ہے جس میں پوری نوع انسانی کو اکٹھا کر کے اس کا محاسبہ کیا جائے۔ دریہ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد تصحیح تفسیر سورہ فاریات، حاشیہ ۲۱)۔

لُشْبُرْقَدَرْ کے محسوسے کی قسم اس پادرِ کھانی ہے کہ خداوندِ عالم کی طرف سے دنیا میں بختی بھی انبیاء آئے اور جو کنہ بھی دہ لائے، ان سب نے ہر زمانے میں وہی ایک خبروی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہے ہیں یعنی یہ کہ تمام الگی تھیچھے انسانوں کو ایک دن از سر نہ زندہ ہو کر اپنے خدا کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا پاپی ہے۔ کوئی کتاب انسانی بھی ایسی نہیں نہیں ہے جو اس خبر سے خالی ہو، یا جس نے انسان کو اعلیٰ یہ الہام دی ہو کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اور انسان اس مکر میں ہو جانے والا ہے جس کے بعد نہ کوئی حساب ہے تاکہ اب۔

بیتِ معمور کی قسم اس لیے کھانی گئی ہے کہ خاص طور پر اہلِ عرب کے لیے اس زمانے میں خاڑی جبکہ علامت ایک ایسی اعلیٰ زبانی تھی جو اللہ کے پیغمبروں کی صداقت پر اور اس حقیقت پر کہ اللہ جل شاداً کی حکمت بالغہ و تقدیمت تاہرا و اُن کی پُشت پر ہے، صریح شہادت دے رہی تھی۔ ان آیات کے نزول سے ڈھانی ہزاررس پسلے بے آب و گیا۔ اور یہ آباد پیاروں میں ایک شخص کی لاڈو شکر اور سرو سامان کے پیغام اپنے اور اپنے ایک بیوی اور ایک شیرخوار پسکے کو یا انکل ہے سہارا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پھر کچھ مدت بعد یہی شخص اکلاں نہان جگہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک گھر بناتا ہے اور پکار دیتا ہے کہ لوگوں آزاد اس گھر کا جیکارہ ہے اس تھیر اور اس پکار کو یہ تیرت، انگریز مقبولیت حاصل ہوتی ہے کہ دبی گھر تمام اہلِ عرب کا مرکز ہے، اُس پکار پر عرب کے ہر گوئے سے لوگ لبیک لبیک کہتے ہوئے کچھ پڑے آتے ہیں، ڈھانی ہزاررس تک یہ گھر ایسا اس کا گوارہ بنا رہتا ہے کہ اس کے گرد وہیں سارے ملک میں کشت و خون کا بازار گرم ہوتا ہے مگر اس کے صندوقیں اُنکی کوئی برداشت اٹھانے کی بہت نہیں ہوتی، اور اسی گھر کی پیدا ولادت عرب کو ہر سال چار بیانیے ایسے امن کے میسر آ جاتے ہیں جن میں تالقہِ اطیبان اس سفر کرتے ہیں، تجارت چکنی ہے اور بازار لگتے ہیں سچا اس گھر کا بیدبید تھا کہ اس پوری مدت میں کوئی بڑے سے بڑا جبار بھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکا، اور جس نے یہ جرأت کی وہ اللہ کے غضب کا ایسا شکار ہوا کہ عترت بیکری گیا۔ یہ کہ شہزاد آیات کے نزول سے صرف ۲۵ ہی برس پسلے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اس کے دیکھنے والے بہت سے آدمی اُس وقت ملکہ مختار میں زندہ موجود تھے جب یہ آیات اپنی ملکہ کو سنانی جا رہی تھیں۔ اس سے بڑھ کر کیا چیز اس بات کی دلیل ہو سکتی تھی کہ تھا کے پیغمبرِ وحی اپنی نہیں کیا کرتے۔ اُن کی آنکھیں وہ کچھ دلکھتی ہیں جو دوسروں کو نظر نہیں آتیں۔ اُن کی نریان پر وہ حقائق

جاری ہوتے ہیں جب تک دوسروں کی عمل نہیں پہنچ سکتی۔ وہ بظاہر ایسے کام کرتے ہیں جن کو ایک وقت کے لوگ دیکھ سو
دیلوں میں اور صدیوں بعد کے لوگ انہی کو دیکھ کر ان کی بصیرت پر دنگ رہ جائیں۔ اس شان کے لوگ جب بالاتفاق
ہر زمانے میں یہ غیر دیتے رہے ہیں کہ قیامت آئے گی اور حشر و نشر ہو گا تو اسے دیلوں کی طرف سمجھنا خود
دیلوں کی ہے۔

اویحی چھٹت (آسمان) اور موجودین سمندر کی قسم اس یہ کھافی لگتی ہے کہ یہ دونوں چیزوں ایشکی حکمت اور اس
کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اسی حکمت و قدرت سے آخرت کا امکان بھی ثابت ہوتا ہے اور اس کا وقوع و وجود
بھی آسمان کی دلالت پر ہم اس سے پلے تفسیر سورہ حق حاشیہ میں کلام کرچکے ہیں۔ وہ سمندر انواع شخص بھی انکار کا پیشگی
فیصلہ کے بغیر اس کو نکلا ہو گئے دیکھے گا اس کا دل یہ گواہی دے گا کہ زمین پر پانی کے استخراج سے ذخیرے کا فراہم ہو جانا
بجائے خود ایک ایسی کاریگری ہے جو کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے ساتھ اتنی بھی شمار حکمتیں وابستہ
ہیں کہ آفاق ایسا حکیم اور نظام قائم ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ اس میں بے حد حساب یہ حیوانات پیدا کیے گئے ہیں جن میں سے
ہر نوع کا نظام جسمانی شیک اُس کو گرانی کے لیے موزوں بنایا گیا ہے جس کے اندر اسے رہتا ہے۔ اس کے پانی کو نہیں بنایا
ویا گیا ہے تاکہ روزانہ کو مٹوں جانو جو اس میں رہتے ہیں اُن کی لاشیں سڑتے جائیں۔ اس کے پانی کو ایک خاص حد پر اس
طرح روک رکھا گیا ہے کہ نہ تو وہ نریں کے شکاروں سے گزر کر اس کے پیٹ میں اُتر جاتا ہے اور نشکنی پر چڑھ کر اسے
غرق کر دیتا ہے، بلکہ لاکھوں کوہنڈوں پر اس سے وہ اسی حد پر گرا ہوا ہے۔ اسی عظیم ذخیرہ آب کے موجودہ اور برقرار
رہنے سے زمین کے غلک حصوں پر بارش کا انتظام ہوتا ہے جس میں سورج کی گردی اور ہواڑی کی گردش اس کے ساتھ
پوری باتا عدگی کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔ اسی کے بغیر کوئا دشہ ہونے اور طرح طرح کی مخلوقات اس میں پیدا ہوئے
سے یہ فائدہ حاصل ہوا ہے کہ انسان اس سے اپنی غذا اور اپنی ضرورت کی بست سی چیزوں کی شیر مقدار میں حاصل کر رہا
ہے۔ اسی کے ایک حد پر گر کے رہنے سے وہ براعظم اور جزیرے سے قائم ہیں جن پر انسان بس رہا ہے۔ اور اسی کے پیشہ ایش
تواعد کی پایندی کرنے سے یہ ملکی ہوا ہے کہ انسان اس میں بہماز رہی کر سکے۔ ایک حیکم کی حکمت اور ایک قادر مطلق کی
زبردست قدرت کے بغیر اس انتظام کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور نہ یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ انسان اور زمین کی دوسری
مخلوقات کے مقابلے سے سمندر کے اس انتظام کا یہ گھر اعلیٰ میں، اہل شب ہی قائم ہو گیا ہے۔ اب اُرفی الواقع ہے اس
اُمر کی تقابلی، انکار شادت ہے کہ ایک خدا شے حکیم و قادر نے انسان کو زمین پر آباد کرنے کے لیے دوسرے بے شمار
انتظامات کے ساتھ یہ بھر شود ہے اس شان کا پیدا کیا ہے تو وہ شخص سخت الحق ہو گا جو اس حکیم سے اس زادانی کی توفیق کے
کوہ اس سمندر سے انسان کی کھیتیاں سیرا باب کرنے اور اس کے ذریعہ سے انسان کو زندق دینے کا انتظام تذکرے کے گام
اس سے کبھی یہ نہ پوچھے گا کہ تو نے میرا زندق کھا کر اس کا حق کیسے ادا کیا، اور وہ اس سمندر کے سینے پر اپنے بہماز و دڑاف
کی قدرت اور انسان کو عطا کر دے گا مگر اس سے کبھی یہ نہ پوچھے گا کہ یہ جہاں تو نے حق اور اسٹی کے ساتھ وہ طلبے نے
یا ان کے ذریعے سے دنیا میں ڈاکے مارتا پھر تھا۔ اسی طرح یہ تصور کرنا بھی ایک بہت بڑی گند ذہنی ہے کہ جس

وَسَيِّرْا بِالْجَهَنَّمْ سَيِّرَا طَفَوْيِلْ يَوْمَيْنِ لِلْمُكَذِّبِينَ^{١٨}
 الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ^{١٩} يَوْمَيْدَعْوَنَ إِلَى نَارِ
 جَحَّنَمَ دَعَّا^{٢٠} هُنَّا كَذَّارُ الْتَّقِيٍّ كَذَّارُ يَهَا تَكَذِّبُونَ^{٢١}

اور پیارا اُڑسے اُڑسے پھریں گے۔ تباہی ہے اُس روز ان مجھ سلانے والوں کے لیے جو آج کھیل کے طور پر اپنی جحت بازیوں میں لگے ہوئے ہیں جس دن انہیں دھکے مارا کر نار جہنم کی طرف لے چلا جائے گا اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ یہ وہی آگ ہے جسے تم مجھ سلایا کرتے تھے،

قادر مطلق کی قدرت کا ایک ادیٰ کر شمارہ اس عظیم الشان سخندر کی تخلیق ہے، جس نے فضایں گھونٹے داسے اس ملٹی کروے پر پانی کے اتنے بڑے ذخیرے کو تھام رکھا ہے، جس نے نکل کی اتنی بڑی مقدار اس میں گھول دی ہے، جس نے طرح طرح کی ان گنت مخلوقات اسی میں پیدا کی ہے اور ان سب کی رزق رسائی کا انتظام اسی کے اندر کر دیا ہے، جو ہر سال اربیوں میں پانی اس میں سے اٹھا کر ہوا کے دوش پرے جاتا ہے اور کروڑوں مریع میں کے ششک علاقوں پر اسے بڑی باقاعدگی کے ساتھ بر ساتا رہتا ہے، وہ انسان کو ایک دفعہ پیدا کر دینے کے بعد ایسا عاجز ہو جاتا ہے کہ پھر اُسے پیدا کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔

۲۵ اصل الفاظ میں شعوذ الاستمام مسموٰ رہا۔ نور عربی زبان میں گھوٹنے، اور نٹنے، پھر کئے، جھبوم جھوم کر چلنے، چکر کھانے اور بار بار آگی گئی چکر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ قیامت کے دن انسان کی جو حالت ہو گی اسے ان الفاظ میں بیان کر کے یہ تصور دلایا گیا ہے کہ اُس روز عالم بالا کا سالانہ نظام در ہم برہم ہو جائے گا اور دیکھنے والا جیب انسان کی طرف دیکھنے گا تو اُسے یوں محسوس ہو گا کہ وہ جما جمیا نقشہ جو جمیش ایک بھی شان سے نظر آتا تھا، بگڑ پکا ہے اور ہر طرف ایک اضطراب برپا ہے۔

۲۶ دوسرے الفاظ میں نہیں کی وہ گرفت جس نے پہاڑوں کو جما کھلایا ہے، ڈھیلی پڑ بیانے گی اور وہ اپنی جڑوں سے اکٹ کر فضایں اس طرح اُڑنے لگیں گے جیسے بادل اُڑنے پہرتے ہیں۔

۲۷ مطلب یہ ہے کہ نبی سے تیامت اور آخرت اور جنت و دوزخ کی خبریں مگر کرانہیں مطلق کا موضع بناتے ہیں اور سنیمی کے ساتھ ان پر خدا کرنے کے بجائے محن تفریح ان پر باقیں بھانٹ رہے ہیں۔ آخرت پر ان کی بخشوں کا مقصد و حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں ہے، بلکہ ایک کھیل ہے جس سے یہ دل بلالتے ہیں اور انہیں کچھ ہوش نہیں ہے کہی الواقع یہ کس انجام کی طرف پلے جا رہے ہیں۔

أَفَيْسِحْرُ هَذَا أَمْ آتَنَّهُ لَوْ نَبْصِرُونَ ۚ ۱۵ ۚ إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا۝
 أَوْ لَا تَصْبِرُوا۝ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ ۖ ۱۶ ۖ إِنَّ الْمُتَقِينَ فِي جَنَّتٍ وَّ نَعِيشُ ۚ ۱۷ ۚ فِي كِهْلَيْنَ
 يِمَّا اتَّهَمْ رَبِّهِمْ وَ قَهْمَرَ رَبِّهِمْ عَذَابَ الْجَحْنَمِ ۖ ۱۸ ۖ
 كُلُّوا۝ وَاشْرَبُوا۝ هَنْيَئًا يِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ ۱۹ ۖ مُتَّكِيْنَ

اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تمیں سو بھرنہیں رہا ہے؟ جاذب مجلسوساں کے اندر تو تم خواہ صبر کرو یا
 نہ کرو، تمہارے لیے یہ کام ہے، تمیں ویسا ہی بد لہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کر رہے تھے۔
 متყی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے، لطف لے رہے ہوں گے اُن چیزوں سے جو
 اُن کارب انہیں دے گا، اور اُن کارب انہیں دوزخ کے عذاب سے بچائے گا۔ (ان سے کہا جاتے گا)
 کھاؤ اور پیو مزے سے اپنے اُن اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ آمنے سامنے بچے ہوئے

۲۰ ۖ یعنی دنیا میں جب رسول تمیں اس جنم کے عذاب سے ڈراستے تھے تو تم کہتے تھے کہ یہ محض الفاظ لکھا گئی
 ہے جس سے بھی سے دقوف بنایا جا رہا ہے۔ اسے پولو یہ جنم جو تمہارے سامنے ہے یہ اُسی جادو کا کرشمہ ہے یا اس بھی
 نمیں نہ سو بھاک داقعی اُسی جنم سے تمہارا پالا پڑ گیا ہے جملہ کی خبر تمیں دی جا رہی تھی و
 ۲۱ ۖ یعنی وہ لوگ سخنوں نے انبیاء عکی دی ہوئی سمجھ رہا یا میان لا کر دنیا ہی میں اپنا بچا ذکر کیا اور اُن اہکار و اعمال
 سے پہ بیز کیا جس سے انسان جنم کا مستحق نہ تھا۔

۲۲ ۖ کسی شخص کے داخل جنت ہونے کا ذکر کردیتے کے بعد پر دوزخ سے اس کے بچائے جانے کا ذکر کرنے
 کی بظاہر کوئی حاجت نہیں رہتی۔ مگر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ دلوں باقیں الگ الگ اس لیے بیان کی گئی
 ہیں کہ آدمی کا دوزخ سے بچ جانا بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور یہ ارشاد کہ اللہ نے ان کو عذاب دوزخ
 سے بچایا۔ دراصل اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ آدمی کا دوزخ سے بچ جانا اللہ کے فضل و کرم ہی سے ملکی ہے،
 درد بیشی کمزوریاں ہر شخص کے عمل میں ایسی ایسی خامیاں پیدا کر دیتی ہیں کہ اگر اللہ اپنی فیضی ہی سے اُن کو نظر انداز نہ فراہم
 اور سخت محابی پر اُنرا نے تو کوئی بھی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اسی لیے جنت میں داخل ہونا اللہ کی جتنی بڑی
 نعمت ہے اس سے کچھ کم نعمت یہ نہیں ہے کہ آدمی دوزخ سے بچایا جائے۔

عَلَىٰ سُرِّ مَصْفُوفَةٍ وَرَوْجَهُمْ بُحُورٍ عَيْنٍ ۝ وَالَّذِينَ
أَمْنُوا وَاتَّبَعُهُمْ ذُرَّةٌ يَهُمْ يَأْتِيَانَ الْحَقْنَارَمْ ذُرَّةٌ يَهُمْ
وَمَا أَتَنَاهُمْ مِنْ عَمَلٍ هُمْ بِهِ شَفِعٌ كُلُّ أُخْرَىٰ عَنْهُمَا كَسَبَ

تحنوں پر نیکے لگائے بیٹھئے ہوں گے اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجہ ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے ان کی اس اولاد کو بھی ہم (جنت میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی گھٹاٹاں کو نہ دیں گے بہرخصل اپنے کسکے

۱۱۔ بیان "مرے سے" کا لفظ اپنے اندر برداشتیں مضمون رکھتا ہے جنت میں انسان کو ہر کچھ ملے گا کسی مشقت اور محنت کے بغیر ملے گا۔ اس کے ختم ہو جانے سے اس کے اندر کی داقع ہو جانے کا کوئی اندازہ نہ ہو گا۔ اس کے یہ انسان کو کچھ تحریک کرنا نہیں پڑتا گا۔ وہ میں اس کی خواہش اور اس کے دل کی پسند کے مطابق ہو گا۔ جتنا چاہے گا اور جب چاہے گا صاف کرو یا جانے گا۔ انسان کے طور پر وہ دنیا میں نہ ہو گا کہ کچھ طلب کرتے ہوئے شریانے بلکہ سب کچھ اس کے اپنے گذشتہ اعمال کا صلہ اور اس کی اپنی پچھلی کمائی کا شہر ہو گا۔ اس کے کھانے اور پینے سے کسی مرض کا خطرہ بھی نہ ہو گا۔ وہ بھروسہ مٹانے اور زندگہ رہنے کے یہ نہیں بلکہ صرف لذت حاصل کرنے کے لیے ہو گا اور آدمی جتنی لذت بھی اس سے اٹھانا پاہے، اٹھا کے گا بغیر اس کے کوئی سو ہضم لاحق ہو۔ اور وہ غذا کسی قسم کی غلطیت پیدا کرنے والی بھی نہ ہو گی۔ اس لیے دنیا میں "مرے سے" کھانے پینے کا ہر سفید ہے، جنت میں مرے سے کھانے پینے کا مضمون اس سے بد جماز یادہ دیکھ اور علی وارث ہے۔

۱۲۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہر تفسیر القرآن، جلد سچاہم، تغیر سورہ الصافات حدیث، ۲۹-۳۰۔ اللہ تعالیٰ حاشیہ ۳۴۔

۱۳۔ یہ حضور اس سے پہلے سورہ رعد آیت ۴۲، اور سورہ مون آیت ۸ میں بھی لکھا چکا ہے، لہیاں ان دونوں سورات سے بھی زیادہ ایک بڑی خوشخبری ستائی گئی ہے۔ سورہ رعد والی آیت میں صرف اتنی بات فرمائی گئی تھی کہ اہل جنت کے آباد اجنبی اور ان کی اولاد اور ان کی بیویوں میں سے جو جو افراد بھی صالح ہوں گے وہ سب ان کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور سورہ مون میں ارشاد ہوا تھا کہ فرشتے اہل ایمان کے حق میں ارشاد تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی اولاد اور ازاداچ اور آباد میں سے جو صالح ہوں انہیں بھی جنت میں ان سے ملا دے۔ یہاں ان دونوں آیتوں سے زائد بھر بات فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اولاد کسی نہ کسی درجہ ایمان میں بھی اپنے آباد کے نقش قدم کی پیروی کرتی رہی ہو تو خواہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہ اُس سرتے کی ستحق نہ ہو جاؤ اباؤ کوئی کے بھتر ایماں د

رَهِينٌ ۚ وَأَمْدَدْنَا لَهُمْ بِقَارِبَةٍ ۖ وَلَحِيرٌ مِّنَّا يَشَاءُونَ ۚ ۲۲

عوض برہن ہے تم ان کو سرطح کے پھل اور گوشت ہجس پیر کو بھی ان کا جی چاہیکا خوب نیز چلے جائیں گے

عمل کی بنابر حاصل ہو گا، پھر بھی ہر اولاد اپنے آباء کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ اور یہ طانا اُس تو عیت کا نہ ہو گا جیسے ذلتاً ذلتاً کوئی کسی سے جا کر ملاقات کریں کرے، بلکہ اس کے لیے الحقتاً بھٹک کے الفاظ استعمال کیے گھٹیں جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ بحثت میں ان کے ساتھ ہی رکھے جائیں گے۔ اس پر مزید اطمینان دلایا گیا ہے کہ اولاد سے ملائے کے لیے آباء کا درجہ گھٹنا کر انہیں نیچے نہیں آتا رہا جائے گا، بلکہ آباء سے ملائے کے لیے اولاد کا درجہ پڑھا کر انہیں اور پرہنچا دیا جائے گا۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لی جائیں گے کہ یہ ارشاد اُس باقی اولاد کے بارے میں ہے جس نے سر شد کو پہنچ کر اپنے خیا اور اولاد سے ایمان لانے کا میصلد کیا ہوا اور جو اپنی مرمتی سے اپنے صالح بزرگوں کے نقش قدم پر چل ہو۔ یہی ایک مومن کی وہ اولاد جو تو رشد کو پہنچ سے پہلے ہی مرگی ہو تو اس کے محاملہ میں کفرو ایمان اور طاعت و حصیت کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسے تو وہ یہی بحثت میں جانابہ اور اس کے آباء کی آنکھیں شکستی کرنے کے لیے انہی کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔

۱۷ یہاں "ربن" کا استعارہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اگر کسی سے کچھ قرض سے اور قرض دینے والے اپنے حق کی ادائیگی کے ضمانت کے طور پر اس کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھنے تجب تک وہ قرض ادا نہ کروے اس وقت تک فکر رہن نہیں ہو سکتا، اور اگر دوست مقرر گور جانے پر بھی وہ نکت رہن نہ کرائے تو شتر مہونہ ضبط برجا قی ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان محاملہ کی تو عیت کو یہاں اسی صورت محاصلہ سے تشیید دی گئی ہے۔ خدا نے انسان کو جو سرو سامان، جو طاقتیں اور صلاحیتیں اور جو اختیارات، دنیا میں عطا کیے ہیں وہ کوئی ایک قرض بے جواہ کرنے اپنے بندے کو دیا پسے اور اس قرض کی ضمانت کے طور پر بندے کے کافی نہ لے کے پاس رہن ہے۔ بندے اس سرو سامان اور ان قرتوں اور اختیارات کو پہنچ طریقے سے استعمال کر کے اگر وہ نیکیاں کرائے جن سے یہ قرض ادا ہو سکتا ہو تو وہ شے میں قریبی کو ضبط کر جائے اپنے نفس کو چھپڑا لے گا، اور وہ اپنے ضبط کر لیا جائے گا۔ پھر آیت کے معاون یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مومنین صالحین خواہ بجاۓ خود لکھنے ہی بڑے مرتبے کے لوگ ہوں، ان کی اولاد کا نکت رہن اس کے پیغامیں ہو سکتا کہ وہ خود اپنے کسب سے اپنے نفس کو چھپڑا لے۔ باب دادا کی کمائی اولاد کو نہیں چھپڑا سکتی۔ البتہ اولاد اگر کسی دربے کے بھی ایماں اور اتباع صالحین سے اپنے آپ کو چھپڑا لے جائے تو پیری اللہ کافضل اور اس کا کرم ہے کہ بحث میں دو اس کو پہنچ کے متبوؤ سے اٹھا کر اپنے نہ مرتب میں باب دادا کے ساتھ لے جا کر رہا ہے۔ باب دادا کی نیکیوں کا یہ فائدہ تو اولاد کو سکتا ہے، لیکن اگر وہ اپنے کسب سے اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق بنائے تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ باب دادا کی خاطر سے بحث میں پہنچا دیا جائے اس کے ساتھ یہ بات بھی اس آیت سے نکلتی ہے

يَتَنَازَّ عَوْنَ وَفِيهَا كَاسًا لَا لَعْوَقَهَا وَكَلَّ تَأْثِيمٌ^{۱۷۳} وَبَطْوَفُ
عَلَيْهِمْ غَلْمَانٌ لَهُمْ كَاهِمٌ لَوْلَوْ مَكْنُونٌ^{۱۷۴} وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

وہ ایک دُوسرے سے جام شراب پیک پیک کرے رہے ہوں گے جس میں نریادہ گوئی ہو گئی
بدر کردار ہے۔ اور ان کی خدمت میں وہ راستے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جوانی کیلئے مخصوص ہوئے گے،
ایسے خوبصورت جیسے چپا کر کے ہوئے ہوتی۔ یہ لوگ آپس میں ایک دُوسرے سے (دُتی) میں

کم کم دوسرے کی نیک ایاء سے جاگ کر ملا دیا جانا دراصل اُس اولاد کے کسب کا نتیجہ
نہیں ہے بلکہ ان آباء کے کسب کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے عمل سے اس فضل کے متعلق ہوں گے کہ ان کے دل خوش کرنا کے
لیے ان کی اولاد کو ان سے لا ملایا جائے۔ اسی وجہ سے اشاؤں کے درجے کھٹا کر انہیں اولاد کے پاس نہیں ہے جائے گا
بلکہ اولاد کے درجے بڑھا کر ان کے پاس سے جائے گا انہا انکو ان پر خدا کی نعمتوں کے انتام میں یہ سرباقی تحرہ جائے کہ
اپنی اولاد سے دُوری ان کے لیے باعثت اذیت ہو۔

۱۷۵ اس آیت میں اہل جنت کو مطلق ابر قسم کا گوشت دیتے جانے کا ذکر ہے، اور سورہ واتعہ است ۲۴ میں
فریاد گیا ہے کہ پرندوں کے گوشت سے ان کی تواضع کی جائے گی۔ اس گوشت کی فوایت میں ٹھیک ٹھیک حلوم نہیں
ہے۔ مگر جس طرح قرآن کی بعض تصريحات اور بعض احادیث میں جنت کے دودھ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ جانوروں
کے حصنوں سے نکلا ہوا نہ ہوگا، اور جنت کے شد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کھبیوں کا نیایا ہوا نہ ہوگا، اور جنت کی شراب کے
متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ بچوں کو سڑک کشیدی ہوئی نہ ہوگی، بلکہ اشک کی تقدیرت سے یہ چیزوں پہلوں سے نکلیں گی اور شرودی
میں بھیں گی، اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جنت کا گوشت بھی جانوروں کا ذبح نہ ہوگا بلکہ یہ بھی تقدیری طور پر پیدا ہوگا۔
جس خوازیں کے مادوں سے براہ راست دودھ اور شراب پیدا کر سکتا ہے اس کی تقدیرت۔ یہ بھی نہیں ہے کہ اسی
مادوں سے ہر طرح کا لذیذ ترین گوشت پیدا کر دے جو جانوروں کے گوشت سے بھی لذیذ لذت میں بڑھ کر ہو۔ (مزید تشریح
کے لیے ملاحظہ ہو تو قیمت القرآن، جلد چارم، تفسیر سورة صافات، حاشیہ ۲۵۔ جلد بیم، تفسیر سورۃ محمد حداشی ۱۷۳ تا ۱۷۴)۔

۱۷۶ یعنی وہ شراب نہ پیدا کرنے والی نہ ہوگی کہ اسے پی کر وہ بدست ہوں اور یہ وہ بکھاس کرنے لگیں یا
لام گھوڑی اور دھولی دھپتے پر اُترائیں، یا اس طرح کی غش حرکات کرنے لگیں جیسی دنیا کی شراب پیتے والے کرتے ہیں مددویہ
تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تو قیمت القرآن، جلد چارم، تفسیر سورۃ صافات، حاشیہ ۲۷)۔

۱۷۷ یہ مکنہ قابل غزہ ہے کہ غلماں نہ ہو نہیں فریا بلکہ غلماں کو تم فریا جاتا تو اس
سے یہ گمان ہو سکتا تھا کہ دنیا میں ان کے ہو خادم تھے وہی جنت میں بھی ان کے خادم بنادیے جائیں گے حالانکہ دریا کا بھو
شخص بھی جنت میں جائے گا اپنے استحقاق کی بنابر جائے گا اور کوئی وہ نہیں کہ جنت میں پہنچ کر وہ اپنے اُسی آقا کا خادم

عَلَى بَعْضِ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا^{٢٦}
 مُشْفِقِينَ ۝ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَنَا عَذَابَ السَّمُومِ ۝^{٢٧}
 إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ۝^{٢٨}
 فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ يَكَاهِنَ وَلَا يَجْنُونَ ۝^{٢٩}

گزرے ہوئے) حالات پوچھیں گے۔ یہ کہیں گے کہ تم پہلے اپنے گھروالوں میں ڈرتے ہوئے زندگی سرکرتے تھے، آخر کار اثرتے ہم پفضل فرمایا اور ہمیں جھلسادینے والی ہواؤک عذاب سے بچایا۔ ہم پھیلی زندگی میں اسی سے دعا میں مانگتے تھے، وہ واقعی بڑا ہی محسن اور یہم ہے پس اسے نبی، تم نصیحت کیے جاؤ، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کا ہن ہوا ورنہ بخون۔

یادیا جائے جس کی خدمت وہ دنیا میں کرتا رہا تھا۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی خادم اپنے عمل کی وجہ سے اپنے خدموں کی برابری زیادہ بلند مرتبہ جنت میں پاٹے۔ اس سے غلطان لَهُمْ فِرَاكِ اس مکان کی نجاش باقی نہیں رہتے دی گئی۔ یہ لفظ اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ یہ وہ لمحے کے ہوں گے جو بنت میں اُن کی خدمت کے لیے مخصوص کر دیے جائیں گے، مزید تشریح کے لیے لاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد چارم، تفسیر سورہ صافات، حاشیہ ۲۴۔

۳۰ یعنی ہم دنیا میں مہماں اور راضی دنیا میں مگر بورک غفلت کی زندگی نہیں گزار رہتے تھے، بلکہ وہ وقت چیزیں یہ دھڑکانہ تھا کہ کہیں ہم سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس پر خدا کے ہاں جاری پڑے ہو۔ یہاں خاص طور پر اپنے گھروالوں کے دریمان ڈرتے ہوئے زندگی سرکرنے کا ذکر اس سے کیا گیا ہے کہ آدمی سب سے زیادہ جس وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنے بال پھر کو بیش کرنا نہ اور ان کی دنیا نہ تبدیل کر کر ہے۔ اسی کے لیے وہ حرام کا نام ہے، دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالا ہے، اور طرح طرح کی تباہی تبدیل ہوں گرتا ہے۔ اسی بنیاد پر جنت آپس میں کہیں گے کہ خاص طور پر جس چیز نے ہمیں عاقبت کی خرابی سے بچا دا ہے، یہ تھی کہ اپنے بال پھر میں زندگی سرکرتے ہوئے ہمیں اُن کو بیش کرنا نہ اور ان کا مستقبل شاندار بنانا کی تھی تکرہ تھی جتنی اس بات کی تھی کہ جم اُن کی خاطر وہ طریقے داختا رکر پڑھیں جن سے ہماری آخرت بر باد ہو جائے، اور اپنی اولاد کو بھی ایسے راستے پر ہڑاں جائیں جو اُن کو عذابِ الہی کا سخت بنا دے۔

۳۱ اصل میں لفظ مُؤْمُون، استعمال ہوا ہے جس کے معنی سخت گرم ہوا کے ہیں۔ اس سے مزاد لوکی وہ پیشیں یہ جو دوزخ سے اُندر ہی ہوں گی۔

۳۲ اور پرآخت کی تصور بیش کرنے کے بعد تقریب کا رخ فخار لکھ کی اُن ہست دھرمیوں کی طرف پھر رہا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مقابلہ کر رہے ہے تھے۔ بیان خطاب بظاہر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر دراصل آپ کے واسطے سے یہ باتیں فخار لکھ کو سنانی مقصود ہیں اُن کے ساتھ جب آپ قیامت، اور حشر و نشر، اور حساب و کتاب، اور جزا و سزا، اور جنت و جهنم کی باتیں کرتے تھے، اور ان مصائبین پر مشتمل قرآن مجید کی آیات اس دھوے کے ساتھ اُن کو سنا تھے تھے کہ یہ خبر بیان اللہ کی طرف سے ہے پاس آئی ہیں اور یہ اللہ کا کلام ہے جو مجھ پر وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے، ناؤں کے سردار اور مذہبی پیشوادوں اور باش لوگ آپ کی ان یاتوں پر سمجھیں کے ساتھ نہ خود غور کرتے تھے، نہ یہ چاہتے تھے کہ عوام ان کی طرف تو مدد کریں۔ اس یہے وہ آپ کے اور پر کبھی یہ فقرہ کرتے تھے کہ آپ کا ہن ہیں، اور کبھی یہ کہ آپ مجھوں ہیں، اور کبھی یہ کہ آپ شاعر ہیں، اور کبھی یہ کہ آپ خود اپنے دل سے یہ زبان باتیں گھسترتے ہیں اور محض اپنا نگ جانے کے لیے انہیں خلاں کر دہ وحی کہ کر پیش کرتے ہیں اُن کا نیاں یہ تھا کہ اس طرح کے فقرے کس کر دہ لوگوں کو آپ کی طرف سے بدگان کر دیں گے اور آپ کی ساری باتیں ہوا میں اڑ جائیں گی۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ اُسے نبی، واقعی حقیقت تو وہی کچھ ہے جو سورۃ کے آنات سے بیان تک بیان کی گئی ہے۔ اب اگر یہ لوگ ان یاتوں پر تبیں کاہن اور مجھوں کہتے ہیں تو پر واد کر دہ اور بنڈ گاہن خدا کو غفلت سے چونکا نہ اور حقیقت سے بخدا رکھنے کا کام کرتے چلے جاؤ، کیونکہ خدا کے فضل سے ذم کا ہن ہو نہ مجھوں۔

”کاہن“ عربی زبان میں بجزئی، غیب گوا اور سیانے کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ زمانہ جامیت میں یہ ایک مستقل پیش تھا۔ کاہنوں کا دعویٰ تھا، اور اُن کے بارے میں ضعیف الاختقاد لوگ بھی یہ سمجھتے تھے کہ وہ ستارہ شناس ہیں، یا رواح اور شیاطین اور جنون سے ان کا خاص علاج ہے جس کی بدولت وہ غیب کی خبریں معلوم کر سکتے ہیں۔ کوئی چیز کھوئی جائے تو وہ بتا سکتے ہیں کوہ کماں پڑھی جوئی ہے۔ کسی کے ہاں چوری بوجائے تو وہ بتا سکتے ہیں کچور کوں ہے۔ کوئی اپنی قسم پوچھئے تو وہ بتا سکتے ہیں کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ اسی اغراض کے لیے لوگ اُن کے پاس جاتے تھے اور وہ کچونڈر بیانے کر انہیں غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ وہ خود بھی بسا اوقات بستیوں میں آواز گلتے پھر تھے تاکہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔ اُن کی ایک خاص وضع قلع ہوتی تھی جس سے وہ الگ پچانے جاتے تھے۔ اُن کی زبان بھی عام بول چال سے مختلف ہوتی تھی۔ وہ مخفی اور صحیح فقرے خاص بھی میں دیکھتے تھے۔ اُن کی زبان بھی عام بول چال سے مختلف ہوتی تھی۔ وہ مخفی اور صحیح فقرے خاص بھی میں دیکھتے تھے اور بالعموم ایسے گول مول فقرے استعمال کرتے تھے جن سے ہر شخص اپنے مطلب کی بات نکال سکے۔ قریش کے سرداروں نے عوام کو فریب دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاہن ہونے کا الزام صرف اس بنایا۔ اکابر اُن حقائق کی خبروں سے رہتے تھے جو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں، اور آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ اگر آپ پر وحی نازل کرتا ہے، اور خلا کا جو کلام آپ پیش کر رہتے ہو بھی مخفی تھا۔ لیکن عرب میں کوئی شخص بھی اُن کے اس الزام سے دھوکا نکال سکتا تھا۔ اس یہ کہ کاہنوں کے پیشے اور

۳۰ اَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ تَرَبَّصُ بِهِ رَبِّ الْمَنْوْنِ ۝ قُلْ
تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبَّصِينَ ۝ ۳۱ اَمْ تَأْهُرُ هُمْ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ شخص شاعر ہے جس کے حق میں ہم گردش ایام کا انتظار کر رہے ہیں؟
ان سے کہا چکا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں رانیں

ان کی وضع قطعی اور ان کی زبان اور ان کے کار و بار سے کوئی بھی تناول اتفاق نہ خواہ۔ سب جانتے تھے کہ وہ کیا کام کرتے
ہیں، کس مقصد کے لیے لوگ ان کے پاس جاتے ہیں، کیا باتیں وہ ان کو بتاتے ہیں، ان کے سمجھ فقرے کیسے ہوتے
ہیں اور کن مظاہر پر وہ مشکل ہوتے ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کسی کاہن کا سر سے یہ کام ہی نہیں ہو
سکتا تھا اک توں کے رائج وقت عقائد کے خلاف ایک عقیدہ سے کراحتدا در شب و روز اس کی تبلیغ میں اپنی جان کھپتا
اور اس کی خاطر ساری قوم کی دشمنی مولی لیتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہانیت کا یہ الزام برائے
نام بھی کوئی ماسبت نہ ملتا تھا کہ یہ بھینی آپ پر چیل ان ہو سکتی اور عرب کا کوئی کند ذہن سے کند ذہن سے کند ذہن آدمی بھی اس
سے دھوکا کھا جاتا۔

اسی طرح آپ پر جنون کا ادماں ہی کفار کے مغض اپنے دل کی تسلی کے لیے ٹلاتے تھے جیسے موجودہ زمانے کے
بعنیے شرم مغربی مصنفین مسلمان کے خلاف اپنے بغض کی اگل تختہ دی کرنے کے لیے یہ دعے کرتے ہیں کہ حادثہ
حضور پر صرع (Epilepsy) کے دورے پر ٹلاتے تھے اور انہی دوروں کی حالت میں جو کچھ آپ کی زبان سے
نکلتا تھا اسے لوگ دھی سمجھتے تھے۔ ایسے بیوودہ الزانات کو کسی صاحب عقل آدمی نے ذات نہیں فناں لیتھا
سمجا تھا، اس کوئی شخص قرآن کو پڑھ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیادوت درہنمائی کے چیرت انگریز کا زانے
دیکھ کر یہ بادر کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ صرع کے دوروں کا کر شہر ہے۔

۳۲ میخی ہم منتظر ہیں کہ اس شخص پر کوئی آفت آئے اور کسی طرح اس سے بھاٹکھا چھوٹے۔ غالباً ان کا
خیال یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چون تکہ ہمارے میمودوں کی خالفت اور ان کی کلامات کا انکار کرتے ہیں، اس لیے یا تو
حادثہ، ان پر ہما سے کسی معمور کی مار پڑتے گی یا کوئی دل چلا ان کی یہ باتیں سن کر اپنے سے باہر بہ جائے گا اور
انہیں قتل کر دے گا۔

۳۳ اس کے درطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ میں بھی دیکھتا ہوں کہ تсадی یہ آنذو پوری ہوتی سمجھا جائیں۔
دوسرے یہ کہ میں بھی منتظر ہوں کہ شاست میری آتی ہے یا تمہاری۔

أَحَلَّا وَمَهْمَرَ هَذَا أَمْرُهُمْ قَوْمٌ طَاغِيُّونَ ۝ إِنْ يَقُولُونَ لِقَوْلَةَ
بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلِمَا تُواْ بِحَدِيثٍ قَتِيلِهِ إِنْ كَانُواْ أَصْدِقِينَ ۝

ایسی ہی باتیں کرنے کے لیے کہتی ہیں، یاد رحقیقت یہ عناد میں حد سے گزے ہوئے لوگ ہیں،
کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھر لیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں
لانا چاہتے۔ اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنالا یعنی۔

۲۵ ان ودغقوں میں غالباً گنگے کے سارے پروپیگنڈے کی ہوں اکال کر انہیں بالکل بے تعاب کر دیا جائے
استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے سردار اور مشائخ پرے عقائد بنے پھرتے ہیں، مگر کیا ان کی عقل یہی کہتی
ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اسے شاعر کہو، بے ساری قدم ایک دانا آدمی کی جیشیت سے جانتی ہے اسے مجنوں کہو،
اور جس شخص کا کہانت سے کوئی دُور دراز کا تعلق بھی نہیں ہے اسے خواہ مخواہ کا ہن قرار دو۔ پھر اگر عقل یہی کی تناپر ہے
لوگ حکم لگاتے تو کوئی ایک حکم لگاتے۔ بہت سے متفاہد حکم تو ایک ساتھ نہیں لگاسکتے تھے۔ ایک شخص اکثریک وقت
شاعر، مجنوں اور کاہن کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مجنوں ہے تو نہ کاہن ہو سکتا ہے نہ شاعر۔ کاہن ہے تو شاعر نہیں ہو سکتا
اور شاعر ہے تو کاہن نہیں ہو سکتا، ایکو نکہ شر کی زبان اور اس کے موضوع عالم بحث الگ ہوتے ہیں اور کہانت کی زبان
اور اس کے مضمایں الگ۔ ایک ہمی کلام کو یہی وقت شعر بھی کہنا اور کہانت بھی قرار دینا کسی ایسے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا
جو شعراً اور کہانت کا فرق جانتا ہو۔ پس یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محمد مصلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہ متفاہد باتیں عقل
سے نہیں بلکہ سراسر صد اور بہت دھرمی سے کی جاتی ہیں، اور قوم کے یہ بڑے بڑے سردار عناد کے جوش میں الہ سے
ہو کر محض ہے سرو پا الہامات لگاتا ہے یہ جنہیں کوئی سنبھالدہ انسان قابل اعتماد نہیں بھجو سکتا۔ دمزید تشریح کے لیے
ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۱۰، بیونس، حاشیہ ۴۔ بی اسرائیل، حاشیہ ۳۵۵۔ جلد سوم، الشرعا
حوالی ۱۳۱۶، ۱۳۲۴، ۱۳۳۶، ۱۳۴۰، ۱۳۴۷۔

۲۶ دوسرے الفاظ میں اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قریش کے ہو لوگ قرآن کو محمد مصلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا
تصنیف کردہ کلام کہتے ہیں خود ان کا دل یہ جاتا ہے کہ یہ آپ کا کلام نہیں ہو سکتا، اور دوسرے وہ لوگ بھی جواہیں زبان
یہیں نہ صرف یہ کہ اسے سن کر صاف محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ انسان کلام سے بہت اعلیٰ دار فتح ہے بلکہ انیں میں سے جو
شخص بھی محمد مصلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہے وہ کبھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ یہ واقعی آپ ہی کا کلام ہے۔ پس صاف
اوہ سیدھی بات یہ ہے کہ قرآن کو آپ کی تصنیف قرار دینے والے دراصل ایمان نہیں لانا چاہتے اس لیے وہ طرح طرح
کے جھوٹے بھانے گھوڑے ہے یہیں جوں میں سے ایک بھاشیر یعنی ہے۔ دمزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دو،

بپوش، حاشیہ ۱۴۔ جلد سوم، المقرقان، حاشیہ ۲۰۔ اقصص، حاشیہ ۲۳۔ العنكبوت، حاشیہ ۸۹-۹۰۔ جلد چھارم، الحجۃ، حاشیہ ۱۷۰۔ حُمَّ السجدة، حاشیہ ۵۳۔ الاٰنفاف، حاشیہ ۱۰۰۔

۷۲۵ یعنی ہات صرف اتنی بھی نہیں ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سے انسان کلام ہی نہیں ہے اور یہ بات انسان کی تقدیر سے باہر ہے کہ ایسا کلام تصنیف کر سکے۔ اگر تم اسے انسان کلام کہتے ہو تو اس پاٹے کا کوئی کلام لا کر دکھاؤ جسے کسی انسان نے تصنیف کیا ہو۔ یہ چیز خوب صرف قریبیں کو، بلکہ تمام دنیا کے منکریں کو سب سے پہلے اس آیت میں دیا گیا تھا۔ اس کے بعد تین مرتبہ مکمل معنی میں اور پھر آخری بار درستہ منورہ میں اسے دہرا یا گیا راملا خلخال ہو یونس، آیت ۲۸۔ بود، ۱۳۔ بنی اسرائیل، ۸۸۔ البقرہ، ۲۳۔ مگر کوئی اس کا جواب دینے کی خواص و قدرت ہمت کر سکتا نہیں کے بعد آج تک کسی کی یہ جرأت ہوئی کہ قرآن کے مقابلہ میں کسی انسان تصنیف کو سے آئے۔

بعن دُوگ اس چیز کی حقیقت نویت کو نہیں کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا کسی شخص کے اشائیں میں بھی دوسرا کوئی شخص نہیں نظر پر قادر نہیں ہوتا۔ ہمارے درودی، شیکھیہ، گوئی، غالب، ٹیکو، اقبال، سب ہی اس لحاظ سے یہ مثل ہیں کہ ان کی نقل اناکرنا نہیں جیسا کلام بالا ناکسی کے میں نہیں ہے۔ قرآن کے چیزیں کا یہ جواہ دینے والے دراصل اس غلط فہمی میں میں کہ فیضانِ چیدیت مثیلہ کا مطلب قرآن کے اشائیں میں اُس سیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد اشائیں میں مماثلت نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پاٹے اور اس شان اور اس مرتبہ کی کوئی کتاب سے آڈیو صرف عربی ہی میں نہیں، دنیا کی کسی زبان میں اُن خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی بد مقابل قرار پا کے جن کی بنابر قرآن ایک سمجھو ہے۔ مختصرًا چند بڑی بڑی خصوصیات حسب ذیل میں جن کی بنابر قرآن پہلے بھی سمجھو ہے تھا اور آج بھی سمجھو ہے۔

۱۔ جن زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اُس کے ادب کا دہ بلنڈ ترین اور مکمل ترین نمونہ ہے۔ پوری کتاب میں ایک لفظدار ایک جملہ بھی معار سے گرا ہو نہیں ہے۔ جیسی مفہوموں کو بھی ادا کیا گیا ہے موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین اندازہ بیان میں ادا کیا گیا ہے۔ ایک ہی مفہوم پار پار بیان ہوا ہے اور ہر تعبیر ایسے بیان نیا ہے جس سے تکارکی بدغایی کہیں پیدا نہیں ہوتی۔ اول سے کہ آخوند ساری کتاب میں الفاظ کی فہمت ایسی ہے جیسے گفتہ تراش کر کر جوڑے گئے ہوں۔ کلام اتنا موثر ہے کہ کوئی زبان داں آدمی اسے سن کر سرو مھنے بغیر نہیں رہ سکتا، سنتی کہ منکر اور مخالفت کی نصیح بھی وجہ کرنے لگتی ہے۔ ۲۔ اسوس رس گز نے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو در کار، جس کے قریب بھی عربی زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و نیت میں نہیں پہنچتی۔ بھی نہیں، بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ ۱۷ صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا محیا رقصاحت دی جاتی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا، حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک اسلام، انشاء، محاوسے، قواعد

زبان اور انتقال الفاظ میں ایک بھی شان پر باقی رہ گئی ہے۔ لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے بدلنے مدد کیا۔ اُس کا ایک لفظ بھی آج تک متذکر نہیں ہوا ہے۔ اُس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے۔ اُس کا ادب آج بھی عربی کا میماری ادب ہے، اور تقریر و تحریر میں آج بھی فیض حربان دہی مانی جاتی ہے جو ۱۲۰۰ سورس پر قرآن میں انتقال ہوئی تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے؟

۲۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نویع انسانی کے انکار، اخلاق، تندیب اور طرزِ زندگی پر اتنی دستت، اتنی گمراہی اور اتنی ہم گیری کے ساتھ اشرفت والا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظر نہیں ملتی۔ پہلے اس کی تاشیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بستہ شہر سے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس تدریجی انقلاب ایگزٹ ثابت ہوئی ہے۔ یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی شکل اور ایک مستقل تندیب کی تعمیر کی ہے جو ۱۲۰۰ سورس سے اس کھان اثاثات کا سلسلہ جاری ہے، اور دنیا بروہن اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

۳۔ جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک دلیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پھری کائنات پر حادی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم و مددگر کون ہے، کیا اُس کی صفات میں، کیا اُس کے اختیارات میں، اور وہ حقیقت نفس الامری کیا ہے جس پر اُس نے یہ پورا نظام عالم قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی جیشیت اور اس کا مقام شیک شیک شخص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اُس کا فاطری مقام اور یہ اُس کی پیدائشی جیشیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس نظام اور اس جیشیت کے لحاظ سے انسان کے لیے فکر و عمل کا صحیح راست کیا ہے جو حقیقت سے پھری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے سیع ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کون اس پر پڑتا رہا ہے، اور صحیح راستہ جو جیشیت سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا، اس ذریعے سے اُس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں اُس کو بتایا جاتا رہا جسے۔ وہ صحیح راستے کی صرف نشان دہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اُس راستے پر چلتے کے لیے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاق، نہ کیوں نفس، عادات، معاشرت، تندیب، حدیث، سیاست، عدالت، قانون، عرضِ حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مریوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برداشت و تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پروپری کرنے اور اس غلط راستوں پر چلتے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں روشن ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرے

عالم پر پاہونے کی نہایت مفعول کیفیت بیان کرتی ہے، اس تفسیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے اور سے علم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے، اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان یکے ایک دوسری زندگی پائے گا، اس کی دینیتی زندگی کے اعمال کا حساب ہو گا، ان امور کی اُس سے باز پوری سی ہو گی، یکسی نافذ اکار صورت میں اس کا پورا نامہ اعمال اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، یکسی زبردست شہادتیں اُس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی، جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے، جتنا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے اور سزا پانے والے کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھیتیں گے۔ اس دیسخ مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس چیزیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنعت کچھ صفری کبری جوڑ کر چند تیاسات کی ایک علمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس چیزیت سے ہے کہ اس کا مصنعت حقیقت کا بارہواست علم رکھتا ہے، اُسی نگاہ ازل سے بدلت سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اُس پر عیان میں، کائنات پوری کی پوری اُس کے سامنے ایک محل کتاب کی طرح ہے، انوع انسانی کے آغاز سے اُس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتم کے بعد اُس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اُس کو یک نظر دیکھ رہا ہے، اور قیاس و مگان کی پانپر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی چیزیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط تاثیت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جو تصور کا نشان دا انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام نظام اور دراقعات کی مکمل ترجیح کرتا ہے اور ہر شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بین سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علوم عربان کے تمام آخری سائل کے جوابات اُس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، ہر یو طادر جامع نظام نکر قائم ہوتا ہے۔ پھر علی چیزیت سے جو رہنمائی اُس نے زندگی کے ہر پل کے متعلق انسان کو دی ہے وہ حرث انسانی محقق اور انسانی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ ۱۲ سال سے روشنے زین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اُس کی پوری کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دیکھیں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جاسکتا ہو؟

۳۔ یہ کتاب پوری کی پوری بیک وقت لکھ کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی بلکہ چند ابتدائی ہدایات کے ساتھ ایک تحریکی اصلاح کا آغاز کیا گیا تھا اور اس کے بعد ۱۲ سال تک وہ تحریک جن مرحوموں سے گزرتی رہی اُن کے مالات اور ان کی ضروریات کے مطابق اس کے اجزاء اُس تحریک کے رہنمائی زبان سے کبھی طوبی خطبوں اور کبھی تفسیر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے۔ پھر اس مشکل کی تکمیل پر مختلف ادوات میں صادر ہونے والے یا اجزاء اُس مکمل کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر دنیا کے سامنے رکھ دیے گئے جسے عقرآنؑ کے نام سے موسوی کیا گیا ہے۔ تحریک کے رہنمائیاں ہے کہیہ خبیث اور جعلیے اس کے طبعزاد نہیں ہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص انہیں خود اُس رہنمائے طبعزاد قرار دیتا ہے تو وہ دنیا کی پوری تاریخ سے کوئی تغیری رسی پیش کرے کہ کسی انسان نے مالا مال نکل سلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کی بطور خود رہنمائی کرتے ہوئے کبھی ایک واعظ اور معلم، خلاق کی چیزیت سے، کبھی ایک مظلوم جماعت کے سربراہ کی چیزیت سے، کبھی ایک ملکت کے فرمازدہ کی چیزیت سے، کبھی ایک برسر بندگ

فوج کے قائد کی حیثیت سے، کبھی ایک فوج کی حیثیت سے، کبھی ایک شارع اور قلن کی حیثیت سے، اغرض بکثرت مختلف حالات اور واقعات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے ہر مختلف تقریبیں کی ہوں یا باقی کمی ہوں وہ صحیح ہو کر ایک مکمل، ہم لوٹا اور جامن تسلیم نکل دیں یا بسی کمیں کوئی تنازع نہ ہو اور تضاد نہ ہوایا جائے، ان میں ابتدا سے انتہا تک ایک بھی مرکزی تحریک اور سلسلہ نکل کا رفرانظر آئے، اس نے اول روز سے اپنی دعوت کی ہجڑیاں بیان کی ہوئی اخراجی وغیرہ اسی پیارے وہ عقائد و اعمال کا ایک ایسا ہندگیر نظام پیانا چلا جائے جس کا ہر جزو دوسرے اجنباء سے کامل مطابقت رکھتا ہو، اور اس مجموعہ کو پڑھنے والا کوئی صاحب بصیرت اور ایسی محسوس کیسے پیش رہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اُس کے ٹرک کے سامنے آخری مرحلے تک کا پورا نقشہ موجود تھا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ یعنی کسی مقام پر اُس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اس پر مشکلت نہ تھا یا جسے بعد میں اس کو بدلتا پڑا۔ اسی شان کا کوئی انسان الگ کبھی لرزرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلافی کا یہ کمال دکھایا ہو تو اس کی نشان دہی کی جائے۔

۵- جس زبان کی زبان پر بیٹھے اور جھکے جاری ہوئے تھے وہ یہاں کسی گرتنے سے نکل کر صرف ان کو سنانے کے لیے نہیں آ جاتا تھا اور انہیں سنانے کے بعد کہیں پڑائیں جاتا تھا۔ وہ اس تحریک کے آغاز سے پہلے بھی اسماق فعاشر میں زندگی پس کر چکا تھا اور اُس کے بعد بھی وہ زندگی کی آخری ساعت تک ہر وقت اُسی معاشرے میں رہتا تھا اس کی گفتگو اور تقریبیوں کی زبان اور طرز بیان سے لوگ بخوبی آشنا تھے۔ احادیث میں ان کا ایک بڑا حصہ اسی بھی محفوظ ہے جسے بعد کے عربی والوں لوگ پڑھ کر خود بسانی دیکھ سکتے ہیں کہ اُس زبان کا اپنا طرز کلام کیا تھا۔ اُس کے ہم زبان لوگ اُس وقت بھی صاف محسوس کرتے تھے اور اسی بھی عربی زبان کے جانتے والے بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس کے کتاب کی زبان اور اس کا اشائیں اُس زبان کی زبان اور اُس کے اشائیں سے بہت مختلف ہے، حتیٰ کہ جہاں اس کے کسی خبلہ کے نیچے میں اس کتاب کی کوئی خوارت آ جاتی ہے وہاں دونوں کی زبان کا فرق پانکل نمایاں نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی انسان کبھی اس بات پر قادر ہو ساہے یا ہر سلسلہ کے کمال انسان تک دفعہ مختلف اشائیدن میں کلام کرنے کا تکلف پیانتا چلا جاسئے اور کبھی یہ راز ناشد ہو سکے کہ یہ دو الگ اشائیں دراصل ایک ہی شخص کے ہیں؟ مارضی اور وقتی طور پر اس قسم کے تضعیں کامیاب ہو جانا تو ممکن ہے۔ لیکن سلسل ۲۳ سال تک ایسا ہوتا کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص جب غلطی طرف سے آئی ہوئی وجہ کے طور پر کلام کرے تو اس کی زبان اور اشائیں پانکل ہی کچھ ہو، اور جب خود اپنی طرف سے گفتگو یا تقریب کرے تو اس کی زبان اور اس کا اشائیں پانکل ہی کچھ ہو۔

۶- وہ رہنمائی تحریک کی قیادت کے دوران میں مختلف حالات سے دو پارہ تارہ را کبھی برسوں دھا اپنے ہم طیو اور اپنے قبیلے والوں کی تفصیل، توہین اور سخت نظم و ستم کا اشتانہ بنارہا۔ کبھی اس کے ساتھیوں پر اس قدر تشدید کیا گیا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جائے پر بھروسہ ہو گئے۔ کبھی دشمنوں نے اس کے تقلیل کی سازشیں کیں۔ کبھی خود اسے اپنے دم سے بھرت کرنی پڑی۔ کبھی اس کو احتیاطی عذرست اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنی پڑی۔ کبھی اسے یہم اڑائیوں سے سانپھ پیش آیا ہے میں شکست اور فتح، دونوں ہی بھوتی رہیں۔ کبھی وہ دشمنوں پر غالبہ کیا اور وہی دشمن جنہوں نے اس پر قلم آٹھے تھے، اس

أَمْ خَلَقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَلِقُونَ ۝ ۳۵ ۴۰ أَمْ خَلَقُوا
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِلَّا يُوْقِنُونَ ۝ ۴۱ أَمْ عِنْدَهُمْ حَزَابٌ
رَّيْكَ أَمْ هُمُ الْمُصْبِطُونَ ۝ ۴۲ أَمْ لَمْ يَسْتَعِنُوْ فِيْرَفْلِيَاتِ

کیا کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زین اور سماں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ تلقین نہیں رکھتے۔

کیا تیرے ربکے خزانے ان کے قبضے میں ہیں؟ یا ان پر انسی کا حکم چلتا ہے؟
کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر پڑھ کر یہ عالم بالا کی سُن گن بنتے ہیں؟ ان میں سے

کے سامنے مریجوں نظر کئے۔ کبھی سندہ وہ اقتدار نصیب ہوا جو کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان تمام حالات میں ایک انسان کے جذبات ظاہر ہے کہ کیساں نہیں رہ سکتے۔ اُس رہنمائی کے مختلف موقع پر خود اپنی ذاتی حیثیت میں جب کبھی کلام لیا، اُس میں اُن جذبات کا اثر نہیں ایا نظر آتا ہے جو ایسے موقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر ان مختلف حالات میں جو کلام اس کی زبان سے سنایا گا وہ انسانی جذبات سے باہم خال ہے۔ کسی ایک مقام پر بھی کوئی بڑے سے بڑا تفاہ انگلی رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہاں انسانی جذبات کا فرماء نظر آتے ہیں

یہ سہو دیکھ اور جامع علم اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اُس زمانے کے اہل عرب اور اہل روم دیور نان و ایران تو درکار اس بیسویں صدی کے اکابر اہل علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ و سائنس اور علوم عمران کی کسی ایک شاخ کے مطابع میں اپنی عمر کھیادی نے کے بعد اُنی کو پتہ چلا ہے کہ اس شعبہ علم کے خری سائل کیا ہیں، اور پھر حصہ وہ غائز نگاہ سے قرآن کو دیکھتا ہے تو اُسے علموم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اُن سائل کا ایک واضح جواب موجود ہے۔ یہ حاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں ہے بلکہ اُن تمام علوم کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۰ء میں پہلے ریاستیں عرب میں ایک اُنی کو علم کے ہر گوشے پر اتنی دبیع نظر حاصل تھی اور اُس نے ہر بنیادی مسئلے پر خود خون من کر کے اس کا ایک صاف اور قطعی جواب سوچ لیا تھا؟

اعجاز قرآن کے اگرچہ اور بھی متفقہ و موجہ ہیں، لیکن صرف اس پنڈ و موجہ ہی پر اگر اُنی خود کے تو اسے حلوم ہو جائے گا کہ قرآن کا صحیحہ ہونا جتنا تزور قرآن کے زمانے میں واضح نہ ہاؤں سے بدرو جہاز یادہ آج واضح ہے اور

مُسْتَعْهِدٌ بِسَلْطَنٍ مُّبِينٍ ﴿٣٥﴾ أَمْ لَهُ الْبَدْنَ وَلَكُمُ الْبَدْنُ

جس نے سُن کی لی ہو وہ لائے کوئی کھلی دلیل۔ کیا اللہ کے لیے تو ہیں بیٹیاں اور تم لوگوں کے
لیے ہیں بیٹے ہیں۔

انشاء الشیعیا متک یہ واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

۲۸ اس سے پہلے جو سوالات چھپرے گئے تھے وہ کفار مک کو یہ احساس دلانے کے لیے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے رسالت کو جھٹکانے کے لیے جو باقیں وہ بنا رہے ہیں وہ کس قدر غیر معقول ہیں۔ اب اس آیت میں ان کے سامنے یہ سوال رکھا گیا ہے کہ جو دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں آخر اُس میں وہ بات کیا ہے جس پر تم لوگ اس قدر بگڑ رہے ہو۔ وہ یہ تو کہہ رہے ہیں کہ اللہ تمہارا خالق ہے اور اُسی کی قسم کو بندگی کرنی چاہیے۔ اس پر تمہارے بگڑنے کی آخر کیا معقول وہ بھے ہے؟ کیا تم خود میں لگئے ہو، کسی بنا شدائے نے تمہیں تین بنا یا یہ اپنے بنالنے والے قسم خود ہو؟ یا یہ وسیع کائنات تمہاری بنا فی ہوئی ہے ہاگر ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے اور تم خود مانتے ہو کہ تمہارا خالق یعنی اللہ ہی ہے اور اس کائنات کا خالق یعنی وہی ہے تو اُس شخص پر تمہیں عصی کیا ہے جو تم سے کہا ہے کہ وہی اللہ تمہاری بندگی پر مستحق کا مستحق ہے؟ غصت کے لائق بات یہ ہے یا یہ کہ جو خالق نہیں ہیں ان کی بندگی کی جائے اور جو خالق ہے اُس کی بندگی نہیں جائے؟ تم زبان سے یہ اقرار تو ضرور کرتے ہو کہ اللہ ہی تمہارا اور کائنات کا خالق ہے، لیکن اگر تمہیں واقعی اس بات کا تعلیم ہو تو اُس کی بندگی کی طرف بلا نے والے کے لیے یہے اس طرح باقاعدہ حکومت پڑ جاتے۔

یہ ایسا زبردست چیختا ہو اس سوال تھا کہ اس نے مشرکین کے عقیدے کی تجویں بلادیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ چھپری مفہوم جنگ بدر کے بعد قریش کے قیدیوں کی رہائی پر بات چیت کرنے کے لیے کفار مک کی طرف سے مدینہ کے بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور اُس میں سورہ طور زیر تلاوت تھی۔ اُن کا اپنا بیان یہ ہے کہ جب حضور اس مقام پر پہنچنے تو سر اول میرے پیٹے سے اڑا جانا تھا۔ بعد میں اُن کے مسلمان ہونے کی ایک بڑی دبیری تھی کہ اُس روز یہ آیات جس کہ اسلام ان کے دل میں جوڑ پکڑ چکا تھا۔

۲۹ یہ کفار مک کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ آخر محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کیوں رسول نہ نہیں گئے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو عبادت بغیر اللہ کی گراہی سے نکالنے کے لیے بھر حال کسی کو تو رسمل مقرر کیا جانا ہی خطا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ فصلہ کرنا اس کا کام ہے کہ خدا اپنا رسول کس کو نہیں اور کس کو نہ بنا شے؟ اگر لوگ خدا کے بنائے ہوئے رسول کو نہیں سے انکار کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو خدا کی خلافی کا مالک یہ اپنے آپ کو سمجھ بیٹھے ہیں یا پھر ان کا زخم ہے کہ اپنی خلافی کا مالک تو خدا ہی ہو مگر اُس میں حکم ان کا پڑے۔

أَمْ تُسْلِمُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مُغْرَّمٍ مُّنْقَلِبُونَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمْ
الْغَيْبُ قَرْمٌ يَكْتُبُونَ ۝ أَمْ بِرِيدٍ وَنَكِيدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ

کیا تم ان سے کوئی اجر منگتے ہو کہ یہ زبردستی پڑی ہوئی چھٹی کے بوجھ تسلی دے
جائتے ہیں؟

کیا ان کے پاس غیر کے حقوق کا علم ہے کہ اُس کی بنابریہ لکھ رہے ہوئے ہوئے؟
کیا یہ کوئی چال چلانا چاہتے ہیں؟ (اگر یہ بات ہے تو کفر کرنے والوں پر ان کی چال

س۳۴ ان مختصر نزولوں میں ایک بڑے مفصل اسئلہ اللہ کو محدود گیا ہے۔ تفصیل اس کی ہے کہ اگر تمہیں رسول کی
بات منشے سے انکا رہے تو تمہارے پاس خود حقیقت کو جانشے کا آخر ذریعہ کیا ہے جیکا تم میں سے کوئی شخص عالم بالا
میں پہنچا ہے اور اللہ تعالیٰ یا اُس کے فرشتوں سے اُس شہزادہ استاد یہ حکوم کر لیا ہے کہ وہ حقائق بالکل حقیقت کے
مطابق یہیں ہوں پر تم لوگ اپنے دین کی بنارکھے ہوئے ہو یہ دعویٰ الگرسی کہ ہے تو وہ سائنس آئندہ اور تائیں کہ اُسے
کب اور کیسے عالم بالا نک رسانی حاصل ہوئی ہے اور کیا علم وہ وہاں سے کرایا ہے۔ اور اگر یہ دعویٰ تمہیں روکتے
تو پھر خود ہی خور کر دکہ اس سے زیادہ مفعکہ انگریز عقیدہ اور کیا بد سکتا ہے کہ تم انشدرب العالمین کے لیے اولاد تجویز کرتے
ہو ماوراء الادبی الٹکیاں ہمیں تم خود اپنے یہ باعصف نگ و عار بھتے ہو، علم کے بغیر اس قسم کی صریح جہالتی کے
اندھیرے میں بھٹک رہے ہو، اور خلا کی طرف سے جو شخص علم کی روشنی تمہارے سامنے پیش کرتا ہے اس کی جان
بکے دشمن ہوئے جاتے ہو۔

س۳۵ سوال کا اصل روشنے سخن کفار کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر رسول تم سے کوئی غرض روکتا اور اپنی
کسی ذاتی منفعت کے لیے یہ ساری دوڑ دھوپ کر رہا ہوتا تو اس سے تمہارے بھائی گھنکی کم از کم ایک معقول وجہ تھے
مگر تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنی اس دعوت میں بالکل بے غرض ہے اور محض تمہاری بھالائی کے لیے اپنی جان کھپار رہا ہے۔
پھر کیا وجہ ہے کہ تم ٹھنڈے دل سے اُس کی بات مُنتہی تک کے روانہ ارثیں ہو؟ اس سوال میں ایک طفیل تحریک بھی
ہے۔ ساری دنیا کے بناوٹی پیشوادرنہ بی بی استاذوں کے مجاہدوں کی طرح عرب بیانی مشرکین کے پیشوادہ پڑت اور
پہ وہ مت کھلا کھلاندہ بھی کاروبار چلا رہے تھے۔ اس پر یہ سوال اُن کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ایک طرف یہ ذہب کے تاجر
ہیں جو علا نیہم سے تدریس، نیازیں ادا و بردا بھی خدمت کی اجتنبیں وصول کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک شخص کا مل
بے غرضی کے ساتھ، ملکہ اپنے تجارتی کاروبار کو بر باد کر کے تمہیں نیابت متفقون دلائل سے دین کا سیدھا راستہ دکھانے
کی کوشش کر رہا ہے۔ اب یہ صریح ہے غنی نہیں تو اور کیا ہے کہ تم اس سے بھائی گھنک اور اُن کی طرف درڑتے ہو۔

الْمَكِيدُونَ ۖ ﴿٣﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشَرِّكُونَ

امتنی ہی پڑھے گی ۔

کیا اللہ کے سو ایک کوئی اور معبود رکھتے ہیں ؟ افراد پاک ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں ۔

۳۳ یعنی رسول نماز سے سامنے جو حقائق پیش کر رہا ہے ان کو جھلانے کے لیے آخر تہائی پاس وہ کوئی علم ہے جسے قہارے کے ساتھ پیش کر سکو کہ پر دہ ظاہر کے چیزیں جیسی ہوتی حقیقتوں کو تم براہ راست جانتے ہو، کی واقعی تنبیہ یہ علم ہے کہ خدا ایک نہیں ہے بلکہ وہ سب بھی مخلوق صفات و اختیارات رکھتے ہیں جنہیں تم نے موجود بنار کھلے ہے، کیا واقعی تم نے خرستوں کو دیکھا ہے کہ وہ رکھیاں ہیں اور نعمت بالله خدا کے ہاں پیدا ہوئی ہیں ؟ کیا واقعی تم یہ جانتے ہو کہ کوئی دھی نہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی ہے ز خدا کی طرف سے کسی بندے کے پاس آسکتی ہے ؟ کیا واقعی تنبیہ اس بات کا علم ہے کہ کوئی قیامت برپا نہیں ہوئی ہے اور نہ کسے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں مرگی اور کوئی عالم آخرت قائم نہ ہوگا جس میں انسان کا محاسبہ ہو اور اسے جزا درستادی جانتے ؟ اگر اس طرح کے کسی علم کا تنبیہ ہو تو ہے تو کیا تم یہ لکھ کر دینے کے لیے تیار ہو کہ ان امور کے متعلق رسول کے بیانات کی تکذیب تھا اس بنا پر کہ ہے ہو کہ پر دہ عینب سکھیج پے جھانک کر قم نے یہ دیکھ دیا ہے کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو رسول بیان کر رہا ہے ؛ اس مقام پر ایک شخص پیشہ ظاہر کر سکتا ہے کہ اس کے جواب میں اگر وہ لوگ ہرث دھرمی کے ساتھ یہ بات لکھ کر دے دیتے تو کیا یہ استدلال یہ صحن نہ ہو جاتا ؟ لیکن یہ شبہ اس لیے قابل ہے کہ ہرث دھرمی کی بنا پر دہ لکھ بھی دیتے تو جس معاشر سے یہی حل فیج بہرہ عام پیش کیا گی تھا اس کے عام لوگ اندھے تو نہ تھے۔ شخص جان لیتا کہ یہ لکھا سارہ ہرث دھرمی کے ساتھ دیا گیا ہے اور درحقیقت رسول کے بیانات کو جھلانے کی بنیاد پر ہرگز نہیں ہے کہ کسی کو ان کے خلاف واقعہ ہوتے کا علم حاصل ہے۔

۳۴ اشارہ ہے اُن تدبیروں کی طرف جو کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زک دینے اور آپ کو ہلاک کرنے کے لیے اپس میں علیجہ بیٹھ کر سوچا کرتے تھے۔

۳۵ یہ قرآن کی صریح پیشیں گوئیں میں سے ایک ہے۔ کی نذر کے ابتدائی زمانے میں جب تھی بھربہرو سامان مسلمانوں کے سواب ظاہر کوئی طاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھی، اور پوری قوم آپ کے غلاف برسر پکار تھی، اسلام اور کفر کا مقابلہ پر دیکھنے والے کو انسانی ناساوی مقابلہ نظر آ رہا تھا۔ کوئی شخص بھی اُس وقت یہ امنا زہ رکھ سکتا تھا کہ چند سال کے بعد یہاں کفر کی بعامطاں لکھ اٹھ جانے والی ہے۔ بلکہ ظاہر میں گواہ قریب ویکھ رہی تھی کہ قریش اور سارے عرب کی مخالفت آخ رہا اس دعوت کا خاتمہ کر کے چھوڑے گی۔ مگر اس عادت میں پوری تحدی کے ساتھ کفار

وَإِنْ يَرَوْا كُسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَذْكُورٌ ۝
فَذَرْهُمْ حَتّى يَلْقَوْا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَبُونَ ۝ يَوْمَ كَا لَيْعَنِ
عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُصْرُونَ ۝ وَإِنَّ لِلَّذِينَ
ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلِكِنَ الْغَنْزُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

یہ لوگ آسمان کے مکرہ سے بھی گرتے ہوئے دیکھ لیں تو کہیں گے یہ باول ہیں جو اُنہے پہلے
آ رہے ہیں۔ پس اسے نبی ﷺ نے ان کے حال پر چھپوڑ دو یہاں تک کہ یہ اپنے اُس شہر کو پہنچ جائیں
جس میں یہ مار گراۓ جائیں گے جس دن نماں کی اپنی کوئی چال ان کے کسی کام آئے گی نہ کوئی
ان کی مدد کو آئے گا۔ اور اُس وقت کے آنسے سے پہلے بھی ظالموں کے لیے ایک عذاب ہے اور
ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔

سے یہ صاف صاف کہہ دیا گیا کہ اس دعوت کو نچاہو دھا سے کے یہ جو تدبیر ہے بھی تم کرنا پاہو کر کے دیکھ لو۔ وہ
سب اُنہی تھار سے ہی خلاف پڑیں گی اور تم اسے شکست دینے میں ہرگز کامیاب نہ ہو سکو گے۔

۲۴۴ یعنی امر واقعی ہے کہ جن کو انہوں نے البار کھا ہے وہ حقیقتیں اللہ نہیں ہیں اور شرک سراسر ایک
یہ اصل چیز ہے۔ اس یہی جو شخص تو جید کی دعوت لے کر اٹھا ہے اس کے ساتھ چاہی کی طاقت ہے اور جو لوگ
شرک کی حمایت کر رہے ہیں وہ ایک بے حقیقت چیز کے لیے ذرا ہے ہیں۔ اس لاثاٹی میں شرک آخر کیسے جیت
جائے گا؟

۲۴۵ اس ارشاد سے مقصود ایک طرف سرداران قربی کی بہت دھرمی کو بنے نقاب کرنا، اور دوسری طرف
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے ساتھیوں کو تسلی دینا ہے جس فرمان اور صاحبزادگرام کے دل میں پار باری خواہش پیدا
ہوتی تھی کہ ان لوگوں کو اُنہوں تعالیٰ کی طرف سے کوئی سمجھہ ایسا رکھا دیا جائے جس سے ان کو نبوت محمدیہ کی صفات حعلوم
ہو جائے۔ اس پر فرمایا گیا ہے کہ یہ خواہ کوئی سمجھہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، بہر حال یہ اس کی ناوجوانی کے کسی نہ کسی طرح
اپنے کفر پر مجھے رہنے کا بناز ڈھونڈ نکالیں گے، کیونکہ ان کے دل ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ قرآن یہیدی معتقد
دوسرے مقامات پر بھی ان کی اس بہت دھرمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ شلا سورة انعام میں فرمایا، ”أَكُرِيمٌ فَرَسِّتَهُ بھی ان پر نازل
کر دیتے اور مرد سے جان سے جان کرتے اور دنیا بھر کی جیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ مانے

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ يَا عَيْنَا وَسَيِّدُنَا مُحَمَّدًا رَبِّكَ
حَسْنَ تَقْوَمٌ ۝ وَمَنِ الْيَقِيلَ فَسَيِّدُهُ وَإِذْ بَارَ النَّجُومُ ۝

اسے نبی اپنے رب کا فیصلہ آئے تک صبر کرو، تم ہماری نگاہ میں ہو۔ تم جب الحوت
اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، رات کو بھی اس کی تسبیح کیا کردا اور رتارے جب
پلٹتے ہیں اُس وقت بھی۔ ۴

وَالَّذِي نَذَّرَ ۝ (آیت ۱۱۱)۔ اور سورہ حجہ میں فرمایا "اگر ہم ان پر احسان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے تو یہ دن دنیا میں
اس میں پڑھتے بھی لگتے، پھر بھی یہ لوگ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں دھو کا کھا رہی ہیں، بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے"
(آیت ۱۵)۔

۳۶ یہ اُسی مضمون کا اعادہ ہے جو سورہ السجدہ آیت ۲۶ میں گز بچا ہے کہ "اُس بُرے عذاب سے پہلے
ہم اسی دنیا میں کسی بھروسے عذاب کا مرزاپنیں چکھاتے رہیں گے، اشاید کریں اپنی باغیانہ روشن سے باز آجائیں"۔
یعنی دنیا میں وقوع خوفناک شخصی اور قوی مصیبتوں ناٹل کر کے ہم انسین یہ یاد رکھنے رہیں گے کہ اوپر کوئی بالآخر طاقت ان کی
قیمتیوں کے فیصلے کر رہی ہے اور کوئی اس کے فیصلوں کو بدلتے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ جو لوگ یہ ممالک میں مستلا ہیں
انہیں نہ پہنچی ان واقعات سے بچنے یا ہے نہ آنکھ بھی لیں گے۔ وہ دنیا میں روشن ہوئے والے خداویں کے معنی نہیں
مجھے اس یہی ان کی برداشت اور تاویل کرتے ہیں جو حقیقت کے فہم سے ان کو اور زیادہ درست جانتے والی ہو اور کسی ایسی
تاویل کی طرف اُن کا ذہن کھوی ہائی نہیں ہوتا جس سے اپنی دہریت یا اپنے شرک کی غلطی ان پر ملا شد، ہو جائے۔ یہی بات
ہے جو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرماتی ہے کہ ان **الْمُنَافِقِ إِذَا مَنَعُوهُنَّ** کا ان
كَانُوا يُعَذِّبُونَ عَذَابَهُمْ أَهْلَهُمْ تَعَذَّرَ سُكُونُهُمْ بَدِيرَةَ عَقْلُهُمْ وَلَكُمْ دُرُّ لَعَادَ سُكُونُهُمْ إِلَوْدًا وَلَكُمْ بَلَاغُ الْجَنَانِ يَبْغُونَ میں
جب جیا رپتا ہے اور بھرا چھا ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اُس اُذٹ کی سی بھتی ہے جس ساس کے مکون نے باندھا تو اس
کی پچھے بھی میں نہ آیا کہ کیوں باندھا ہے اور جب کھول دیا تو وہ پچھرے بھما کی کیوں کھول دیا ہے۔ دزیر تشریع کے لیے ملاحظہ ہو
تفسیر القرآن، جلد سوم، الانبیاء، معاشرہ ۵۴۔ المثل، حاشیہ ۴۴۔ العنكبوت، حاشیہ ۲۷۔ ۲۸۔

۳۷ درس اس مقدم یہ ہی ہو سکتا ہے کہ مبرہ استفاست کے ساتھ لپیٹے رہے حکم کی تعیین پر ڈسٹر ہو۔

۳۸ یعنی ہم تمدنی مگباٹی کر رہے ہیں، تپس تمدار سے حال پچھوڑنیں دیا ہے۔

۳۹ اس ارشاد کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں اور بعد نہیں کروہ سب ہی مراد ہوں۔

ایک مفہوم یہ ہے کہ جب بھی تم کسی مجلس سے الحوت اللہ کی حمد و تسبیح کے انھوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود
بھی اس پر عمل فرماتے تھے، اور ایک نے مسلمانوں کو بھی یہ ہدایت فرماتی تھی کہ کسی مجلس سے آنکھتے وقت اللہ کی حمد

تبیح کریا کریں ۱۸۳ اس سے ان تمام باتوں کا کفایاد اپر جاتا ہے جو اس مجلس میں ہوتی ہوں۔ ابوالاؤد ترمذی نے اسی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے صنورؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں علیہا ہوا وہ اس میں خوب تسلی و تعالیٰ ہو وہ اگر اُنھے سے پہلے یہ الفاظ لئے تو اشان باتوں کو معاف کر دیتا ہے جو وہاں ہوں : سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَسَلَّمَ وَهَمْدَكَ، أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْكَ أَنْكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوَدُ إِلَيْكَ، لِلْخَلْوَةِ، میں تبریزی محدث کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، میں گاہی دینا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معمور نہیں ہے میں بھرستے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے صنورؓ کرتا ہوں ۲۷

دوسرے مضموم اس کا یہ ہے کہ جب تم نیند سے بیدار ہو کر اپنے بستر سے اٹھو تو اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ اس پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود عمل فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کو آپ نے تعلیم دی تھی کہ نیند سے جب بیدار ہوں تیری الفاظ کہا کریں : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ كَلَّا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا اللہ الا اللہ، واللہ اکبر، ولا حول ولا قوّۃ الا باللہ۔ ۲۸ احمد، بخاری برداشت بخاری بن الصامت)

تیسرا مضموم اس کا یہ ہے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اشد کی حمد و تسبیح سے اس کا آغاز کرو۔ اسی حکم کی تعلیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ نماز کی ابتداء تک بخیر تحریر کے بعد ان الفاظ سے کی جائے: سبحان اللہم وَهَمْدَكَ وَتَبَارُكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا إِنْتَ۔

چوتھا مضموم اس کا یہ ہے کہ جب تم اشد کی طرف دریختے کے لیے اٹھو تو اشد کی حمد و تسبیح سے اس کا آغاز کرو۔ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل مஹی تھا کہ آپ حدیثہ اپنے تعلیمتوں کا آغاز حمد و نماز سے فرمایا کرتے تھے۔
پنجمین تحریر نے اس کا ایک اور مضموم یہ بیان کیا ہے کہ جب تم دوپر کو قیلوہ کر کے اٹھو تو نماز پڑھو اور اس سے مراد نماز نہ رہے۔

۲۹ اس سے مراد مغرب و عشا اور تجھد کی نمازوں بھی ہیں، اور تلاوت قرآن بھی، اور اشد کا ذکر بھی۔

۳۰ ستاروں کے پہنچنے سے مراد رات کے آخری حصہ میں ان کا غروب ہونا اور پیدا و تسبیح کے منوار ہونے پر ان کی روشنی کا اندیشہ جانا ہے۔ یہ نماز فخر کا وقت ہے۔

▼ Surah!